پروفیسر قاضی محمد اسلم

خلیفہ صاحب کی ممتاز شخصیت

خلیفہ عبدالحکیم، میرے ذہن کے افق پر پہلے پہل اس وقت ابھرے جب وہ لاہور کے ایف سی کالج میں تعلیم پاتے تھے۔ میں اس وقت امرتسر میں اسکول کے درجے طے کر رہا تھا۔ اور خلیفہ صاحب کا ذکر اپنے بھائیوں اور عزیزوں سے سنتا جو لاہور کے کالجوں میں پڑھتے تھے۔ ایک قابل نوجوان جس کی ملاقات بڑے بڑے آدمیوں سے ہے۔ جو خود اعتمادی میں، گفتگو میں، تحریر میں، تقریر میں اپنے ہم عمروں میں یکتا ہے۔ اور پبلک جلسوں میں کھڑے ہو کر برملا اظہار خیال سے نہیں چوکتا۔ لیکن سائنس کے مضامین سے اسے کچھ کد ہے۔ شاید بزرگوں کے کہنے سننے پر سائنس کے مضامین لے رکھے ہیں۔ لیکن دل کا ذوق کچھ اور قسم کا ہے۔ اس کے بعد یہ بھی کان میں پڑتا رہا کہ وہ یکتا نوجوان سائنس چھوڑ کر آرٹس کے مضامین لے کر علیگڈھ سے ایف اے، بی اے اور انجام کار مشہور سینٹ اسٹیفنز کالج دہلی سے فلسفہ کا ایم اے بڑے امتیاز سے پاس کر چکا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں علیگڈھ کالج میں پڑھتا تھا۔ ایک روز ہماری سائنس ایسوسی ایشن کا خاص اجلاس تھا۔ سائنس کے استاد تقریباً سب کے سب اس میں شریک تھے۔ ڈاکٹر ولی محمد۔ فیروزالدین مراد۔ مسٹر ایچ کرال وغیرہم۔ فیروزالدین مراد نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا۔ اور ایک جگہ رُک کر ایک نوجوان کی طرف اشارہ کر کے اس کی تعریف کرنی شروع کی کہ ہماری قوم میں قابلیت کی کمی نہیں۔ اس پر ایک نہایت خوش لباس، خوش شکل گورا چٹا نوجوان اپنی کرسی میں اپنے آپ کو ذرا درست کرنے لگا۔ منہ پر حجاب کے آثار تھے۔ گویا تعریف سے پانی پانی ہوا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا یہی خلیفہ عبدالحکیم ہیں جن کا ذکر کئی سال پہلے سے سن رہے تھے۔ بعد میں ان کو یونیورسٹی یونین میں تقریریں کرتے سنا۔ اور مقابلے میں غصہ اور جوش دکھاتے دیکھا۔ واقعی شخصیت اور اچھی زبردست شخصیت۔ قدرت نے لیاقت اور ظاہری جاذبیت بھی دے رکھی تھی، اور کردار کی طاقت اور تیزی بھی۔ وہ میرے بزرگ دوست اور کالج کے زمانے کے سائنس ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ کے رشتہ میں بھائی تھے۔ لیکن ان کو قریب سے دیکھنے کا ابھی موقع نہ ملا تھا۔ میں نے علیگڈھ میں تعلیم کے بعد لاہور گورنمنٹ کالج سے ایم اے کیا اور پھر علیگڈھ یونیورسٹی کے اسٹاف میں ایک سال رہ کر پنجاب گورنمنٹ کی سروس میں آ گیا۔ اور انجام کار گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور نفسیات کے شعبہ میں پڑھانے لگا۔ اور اس عرصہ میں کیمبرج یونیورسٹی

میں بھی دو سال رہ کر تعلیم حاصل کی۔ خلیفہ عبدالحکیم بھی اپنے طبعی مذاق یعنی فلسفہ کی تعلیم جرمنی میں مکمل کر کے عثمانیہ یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر بن چکے تھے۔ لاہور اکثر آنا جانا رہتا۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبۂ فلسفہ کے صدر پروفیسر جی سی چیٹرجی تھے جو ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۹ء تک اس عہدے پر سرفراز رہے اور گویا شمالی ہند میں فلسفہ و نفسیات کے بے شمار ہندو سکھ مسلمان شاگردوں کے استاد اور علمی ذوق شوق مطالعہ اور سوچ بچار میں ان کے لیے نمونہ تھے۔ چیٹرجی غیر معمولی قابلیت کے اسکالر اور بڑی کشش رکھنے والے استاد تھے۔ ان کے لیکچر میں ایک سحر کا سا اثر ہوتا اور پڑھائی کا یہ گھنٹہ ایک سکوت اور کامل استغراق کا گھنٹہ ہوتا تھا۔ اسی زمانے میں معلوم ہوا کہ چیٹرجی سینٹ اسٹیفنز کے اس زمانے کے ایم اے ہیں جس زمانے کے اور بھی کئی ایم اے ہیں۔ جن میں سے سب نے اپنے اپنے حلقہ میں اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق نام پیدا کیا ہے۔

پروفیسر ایم ایم شریف جو برسوں علیگڈھ کے شعبۂ فلسفہ کے صدر رہے اور پاکستان بننے کے بعد اسلامیہ کالج کے پرنسپل اور اس وقت انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کلچر کے ڈائرکٹر (گویا اس زمرہ میں خلیفہ عبدالحکیم کے جانشین) اور پاکستان فلاسفیکل کانگرس کے بانی اور مستقل صدر اور پاکستان کے متعدد علمی اور تعلیمی کاموں اور منصوبوں کے سربراہ۔ وہ بھی اسی زمانے کے سینٹ سٹیفنز دہلی کے ایم اے ہیں۔ میرے دوست اور استاد اور گورنمنٹ کالج لاہور میں برسوں کے ساتھی ملک احمد حسین حال پرنسپل اسلامیہ کالج گوجرانوالہ بھی اسی زمانے کے ہیں۔ اسلامیہ کالج پشاور کے پروفیسر عبدالرحیم نیازی بھی جن کے بے شمار شاگرد ان سے والہانہ تعلق رکھتے ہیں اسی زمانے کے ہیں۔ کچھ اور بھی مثلاً پروفیسر برکت اللہ جو کچھ زمانہ تعلیم تدریس میں رہ کر بعد میں پادری بن گئے۔ پروفیسر اسرائیل لطیف بھی جو بڑے زمانے تک ایف سی کالج لاہور کے شعبہ فلسفہ و نفسیات کے کرتا دھرتا رہے اور نفسیاتی معالج کے طور پر کام کرتے ہیں اسی زمانے کے ہیں۔ یہ سب اور ان کے آگے پیچھے کئی اور فلسفہ کی تعلیم پانے والے شمالی ہند کے ایک مشہور اور یاد رہنے والے استاد مسٹر این کے سین کے شاگرد اور ان کی علمی عظمت مشفقانہ کردار کا گویا ثبوت ہیں۔ اس تعلق کی وجہ سے خلیفہ عبدالحکیم بھی جب لاہور آتے تو چیٹرجی سے ملتے اور ہمیں بھی خلیفہ صاحب کی گفتار اور ان کے لطائف اور نوک جھونک سننے کا قریب سے موقعہ ملتا۔ ایک تقریب اس وقت کی پنجاب لٹریری لیگ کے ماتحت تھی (اس لیگ کے ذکر پر اس کے ان تھک سیکرٹری مسٹر ریو ماج چودھری کو داد دینی پڑتی ہے کہ اس شخص نے برسوں ایک معیار اور ایک رفتار پر اس نہایت ہی دلچسپ اور مفید ادارے کو چلایا۔ اس میں بڑے سے بڑے ہندو سکھ مسلمان اہل علم، ہر فن اور ہر میدان کے دھنی شامل ہوتے اور اپنے اپنے افکار اور اظہار خیال سے دوسروں کو مستفید کرتے) اس تقریب میں خلیفہ عبدالحکیم اپنی فلسفیانہ پوزیشن کو پیش کر رہے تھے۔ غالباً دو تین لیکچروں کا

سلسلہ تھا عنوان تھا "خدا اور انسان" یا اس سے ملتا جلتا تھا۔ یعنی خالق مخلوق میں جو صفاتی مشابہت اور صفاتی امتیاز پایا جاتا ہے اس کے پردے میں ایک مستقل فلسفہ حاضرین کے لیے پیش کیا جا رہا تھا، ہمارے لیے یعنی لاہور کے نسبتاً کم عمر استادوں کے لیے) یہ تقریب خاص دلچسپی کا باعث تھی۔ ہم سب پر چیٹرجی کے علم، فصاحت و بلاغت، انگریزی زبان پر قدرت اور تخیل اور فکر کی چمک دمک کا اثر تھا۔ چیٹرجی آزاد خیال سہی لیکن ہندو نام کے عیسائی تھے۔ ان کی لیاقت کے اعتراف کے ساتھ ہمیں کچھ رشک اور مقابلے کا احساس بھی ہوتا تھا۔ کیا کوئی مسلمان استاد فلسفہ بھی ان کی فکر کا ہے؟ خلیفہ عبدالحکیم کو دیکھ کر اور ان کی تقریر سن کر ہم کو یہ محسوس ہوا کہ کیوں نہیں۔ ہے اور واقعی ہے۔ بلکہ خود اعتمادی اور مذاکرے میں ڈٹ کر لڑنے والا اور نہ ہارنے والا ہے۔ جو لاہور میں پیدا ہوا اور لاہور ہی سے ابھر کر دکن کی ایک مشہور یونیورسٹی میں شعبۂ فلسفہ کا صدر ہے۔ چیٹرجی کیمبرج کے ایک استاد پروفیسر مور سے پڑھ کر اس جدید (اس وقت کے جدید) فلسفہ کے شارح بنے تھے جو اپنا سارا رنگ ڈھنگ طبیعی سائنس سے لیتا ہے۔ گویا سائنس جب بالکل نظری اور نظریاتی ہو جاتی ہے اور اپنے تمام مشاہدات اور مفروضات کو ایک جامع اور بلیغ بیان میں اتار کر پیش کرنے لگتی ہے چیٹرجی اس قسم کی سائنس کے ملتے جلتے فلسفہ کے داعی تھے۔ ان کو انگریزی زبان پر خاص قدرت حاصل تھی۔ تھوڑا پڑھاتے لیکن خوب اچھی طرح سے۔ نچوڑ ان کی شرح و بسط کا دہریت ہی ہوتا۔ مجھے یاد ہے کہ کئی موقعوں پر جب مذہب کے متعلق بحث چھڑ گئی تو وہ مذہب کے خلاف تھے اور باقی سب لوگ ان کے خلاف تھے۔ بعد میں مجھے محسوس ہونے لگا کہ وہ کوئی غالی دہریے نہ تھے بلکہ شاید دہریہ تھے ہی نہیں۔ صرف ماحول کا مقابلہ کرتے کرتے وہ دہریت کا دم بھرنے لگتے تھے۔ واللہ اعلم۔

بہرحال پنجاب لٹریری لیگ کے ان دو تین اجلاسوں میں خوب گہما گہمی رہی۔ خلیفہ عبدالحکیم مقرر اور چیٹرجی صدر۔ ہر تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ اور وہ بھی زیادہ تر مقرر اور صدر کے درمیان۔ خوب مزہ آتا تھا۔ دونوں کا نقطۂ نظر کافی مختلف، جذباتی میلان بھی مختلف، کلچرل پس منظر بھی مختلف، انگریزی بولنے کا طرز بھی مختلف۔ چیٹرجی نہایت لطیف انگریزی لہجے اور انگریزی اسٹائل کی انگریزی بولتے اور خلیفہ عبدالحکیم پنجابی طرز اور پنجابی سٹائل کی انگریزی بولتے لیکن نہایت ٹھوس اور نہایت صحیح۔ دونوں ایک دوسرے کی ٹکر کے تھے لیکن ایک فرق نمایاں تھا چیٹرجی باوجود ہر کمال کے بحث میں دب جاتے لیکن خلیفہ عبدالحکیم دبنے کا نام نہ لیتے۔ خلیفہ عبدالحکیم کا علمی مذاکروں اور علمی مجالس میں ہمیشہ یہی کمال نمایاں رہا (کم از کم میرے نزدیک) کہ وہ کسی سے دبنا نہ جانتے تھے۔ اس کی اور مثالیں بھی شاید آگے آئیں۔

پاکستان کی تحریک تیز ہونے پر خلیفہ عبدالحکیم عثمانیہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر اس وقت کی حکومت کشمیر

میں ڈائرکٹر تعلیمات بن گئے تھے۔ ان سے پہلے خواجہ غلام السیدین اسی عہدے پر رہ چکے تھے لیکن خلیفہ صاحب کو یہ کام اور یہ عہدہ پسند نہ تھا۔ وہ ڈائرکٹری کے کام کو ہیڈ کلرکی سے موسوم کرتے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حکومت کشمیر مسلمان ڈائرکٹر تعلیمات رکھ کر اپنے ڈھب کا کام کروانا چاہتی تھی۔ اس لیے خلیفہ صاحب جلد ہی وہاں سے لاہور آگئے۔ مجھے انہیں قریب سے دیکھنے اور ان کی باتیں سننے کا موقعہ اسی زمانے میں ملا۔ اب پاکستان بھی بن چکا تھا۔ اور پاکستان کے مخصوص مسائل لوگوں کے سامنے آرہے تھے اور سوچنے والوں کے دل و دماغ کو گرما رہے تھے۔ اسی زمانے میں پہلے ان کی عزیزہ اور امرتسر کے مشہور بیرسٹر مسٹر سید حسن کی بیٹی ثریا (بیگم ذکا رحمت اللہ) کو ایم اے سائیکالوجی میں داخل کروانے کے لیے گورنمنٹ کالج میرے پاس لائے اور پھر اپنی بیٹی رفیعہ (بیگم مسعود حسن) کو۔ یہ دونوں نہایت ہی ذہین اور پر وقار طالبات ثابت ہوئیں اور دونوں اس وقت عائلی زندگی کی ذمہ داریوں کے علاوہ سائیکالوجی کی خدمت کا بار بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔ ثریا کراچی یونیورسٹی میں لیکچرار اور کلینک کی انچارج ہیں اور رفیعہ سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں۔ خلیفہ صاحب کے فرزند عارف حکیم اس سے پہلے گورنمنٹ کالج سے ایم ایس سی پاس کر چکے تھے اور خلیفہ صاحب عارف کو بھی خود داخل کروانے آئے تھے۔ اس وقت بھی وہ ہمارے اسٹاف روم میں کافی دیر تک بیٹھے رہے اور لطائف و ظرائف اور اپنی دلچسپ گفتگو سے حاضرین کو محفوظ کرتے رہے۔ عارف اور رفیعہ (بیٹے اور بیٹی) کے ذکر پر یہ بات بھی یاد آئی کہ ایک دفعہ میں نے خلیفہ صاحب کے سامنے عارف کی تعریف کی اور کہا کہ بالکل آپ کی طرح ہے۔ خوش شکل، ذہین وغیرہ تو اس کے جواب میں خلیفہ صاحب نے کہا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن میرا دماغ اور میرا علم رفیعہ کو ملا ہے۔ پاکستان کے بننے کے بعد جلد ہی یہ سننے میں آنے لگا کہ خلیفہ صاحب اسلام کے متعلق ایک کتاب کی تیاری میں مصروف ہیں۔ پہلے یہ سنا تھا کہ کتاب مختصر سی ہوگی شاید رسالے کے برابر۔ لیکن جب کتاب شائع ہوئی تو اچھی خاصی ضخیم تھی۔ یہی وہ کتاب ہے جس سے خلیفہ صاحب کو پاکستان میں اور پاکستان کے باہر بڑی شہرت حاصل ہوئی اور جس کی وجہ سے وہ روشن خیال مسلمان مؤلفین اور مفکرین کی اس صف میں شامل ہو گئے جس میں سید احمد خاں۔ سید امیر علی۔ اور علامہ اقبال کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ نام ہمارے عظیم ترین ناموں میں سے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے درجہ اور ایک خاص قسم کی عظمت کا مالک ہے۔ خلیفہ صاحب کا بھی ایک خاص درجہ اور جداگانہ مرتبہ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ان سب میں ایک بات مشترک ہے، اور وہ تقلید اور مروجہ خیالات سے آزادی ہے۔ خلیفہ صاحب نے ان جیسا مقام تو حاصل نہیں کیا لیکن ان سے بہت

کچھ نے کر اپنا ایک خاص مقام بنا لیا

خلیفہ صاحب کی کتاب اسلامک آئڈیالوجی لبرل اسلام کی نمایندہ اور مؤثر تشریح ہے۔ کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے (میں خود بھی اس تشریح سے پورا متفق نہیں) لیکن لبرل اسلام ہمارے زمانے میں ایک خاص مکتب فکر ہے جس نے اسلام کے تعلق اور اس سے محبت اور اس کا احترام قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید دنیا کے خیالات اور اس کے پیش کردہ چیلنج کو سمجھنے اور قبول کرتے ہوئے اسلامی تاریخ۔ اسلامی تعلیمات اور اسلامی ثقافت کی وضاحت کی ہے۔ اس طرز فکر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس سے مسلمانوں کا نو تعلیم یافتہ طبقہ اسلام سے واقف ہو گیا اور اس طبقے کا جذباتی اور علمی تعلق اسلام سے قائم رہا۔ دوسرا فائدہ اس طرز فکر کا یہ ہوا کہ مغربی مولفین اور مفکرین کو بھی اسلام کے متعلق مسلمانوں کا نقطہ نظر بڑی حد تک معلوم ہو گیا۔ یہ دو فائدے ہمارے زمانے کے کسی اور مکتب خیال سے اسطرح حاصل نہیں ہو سکے جس طرح لبرل اسلام کے لٹریچر سے حاصل ہوئے

لبرل اسلام کیا ہے؟ لبرل اسلام دراصل اسلام کی ایک نرم قسم کی تشریح ہے جو اسلام کو مغرب کے لیے اور مغربی تعلیم اور مغربی افکار سے متاثر مسلمانوں کے لیے زیادہ قابل فہم بنا دیتی ہے اور یہ تشریح قابل قدر ہے کیونکہ اس کا فائدہ اسلام اور مسلمانوں اور مغرب اور مغربی افکار دونو کو ہوا ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ لبرل اسلام بعض مسائل میں بہت زیادہ نرمی سے کام لیتا ہے یا جدید خیالات اور جذبات سے زیادہ متاثر معلوم ہوتا ہے اور خلیفہ عبدالحکیم کے طرز فکر میں بھی اس کی کچھ مثالیں ملتی ہیں۔ اس کے باوجود خلیفہ عبدالحکیم کی تحریروں میں لبرل اسلام کے بہترین نقوش ملتے ہیں۔ جس کسی کو ان نقوش سے واقفیت پیدا کرنے کا شوق ہو (اور کسے ہو گا؟) اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ خلیفہ صاحب کی تحریروں کا بغور مطالعہ کرے

خلیفہ صاحب کی ذہانت اور تقریر و تحریر کی قدرت ان کے علاوہ تھی۔ پاکستان کی فلاسفیکل کانگرس کی بنیاد رکھی گئی، پروفیسر میاں محمد شریف صاحب اس کے بانی مبانی اور روح رواں تھے۔ لاہور میں پہلا سشن منعقد ہونا قرار پایا۔ گویا لاہور میزبان تھا۔ اس لیے ضروری قرار پایا کہ اس سشن کا صدر کوئی لاہور سے باہر کا ہونا ضروری ہے۔ مشرقی پاکستان کے ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کی طرف خیال گیا۔ انتظار کے بعد انہوں نے کوئی عذر پیش کر دیا۔ پھر مشہور ادیب، مقنن اور فلسفی مسٹر اللہ بخش خاں بروہی کو دعوت بھیجی گئی انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا لیکن مشروط کر دیا۔ آخر جو شرط انہوں نے لگائی تھی (غالباً یہ شرط تھی کہ مجھے حکومت باہر امریکہ وغیرہ کسی کام پر انہی تاریخوں ہی نہ بھیج دے) وہ پوری ہوئی اور وہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئے اور دن بہت تھوڑے رہ گئے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ اب بمجبوری فلاسفیکل کانگرس اگرچہ لاہور میں منعقد ہو رہی ہے اس کے پہلے سشن کا صدر اگر لاہور ہی کا باشندہ ہو

تو اس میں کوئی حرج نہیں خلیفہ عبدالحکیم صاحب کو دعوت دی گئی خیال نہ تھا کہ آپ اس قلیل وقت میں اپنا خطبہ صدارت لکھ دیں گے لیکن آپ نے نہ صرف ایک طویل خطبہ لکھ دیا بلکہ اتنے قلیل وقت میں لکھ دیا کہ ہم اسے چھپوانے اور عین موقعہ پر تقسیم کرنے میں کامیاب ہوگئے اور پاکستان میں فلسفہ کی ترویج اور فلسفیانہ تحقیقات کے فروغ کے لیے بعض نہایت ہی قیمتی تجاویز بھی پیش ہوگئیں۔ چنانچہ تاریخ فلسفۂ اسلام جو اس وقت پاکستان حکومت کی زیرِ نگرانی مرتب ہو رہی ہے اسی خطبہ کی ایک تجویز کا نتیجہ ہے

اسی قسم کی مثال گورنمنٹ کالج لاہور کی ایک کانوکیشن بھی ہے اس کے لیے بھی نہایت قلیل نوٹس پر خلیفہ صاحب کو ایڈریس کی دعوت دی گئی جو انہوں نے بلاحیل و حجت قبول کی اور سرعت سے اپنا خطبہ مرتب کرکے بھیج دیا

خلیفہ صاحب کی ذہانت اور قوت بیان کا مظاہرہ خطبات اور مقالات کے لکھنے تک ہی محدود نہ تھا اس کا مظاہرہ اس سے کہیں زیادہ ان کی برجستہ تقریروں میں ہوتا تھا۔ بسا اوقات ہماری فلاسفیکل کانگرس میں کوئی مذاکرہ بھی پروگرام میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اور مقررین نے یکے بعد دیگرے کوئی نہ کوئی عذر کرکے تقریر سے گریز کر جاتے لیکن خلیفہ صاحب سے جب کہا جاتا تو وہ ہر وقت تیار پائے جاتے۔ اور اگر موضوع اقبال یا اقبالیات کی کوئی شاخ ہوتی تو پھر تو مذاکرے میں جان پڑ جاتی اور سننے والے نہ صرف سنتے بلکہ سر دھنتے

مجھے خلیفہ صاحب کی آخری تقریر سننے اور ان کی آخری تحریر دیکھنے بلکہ اس کا موجب ہونے کا موقعہ ملا۔ جنوری ۱۹۵۹ء میں کراچی میں ایک مذاکرے (سمینار) کا انتظام ہوا، اسی قسم کا جیسا کہ اس سے پہلے لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کی زیرِ نگرانی ہو چکا تھا۔ مسلمان عالموں کے علاوہ یورپ امریکہ اور کینیڈا اور کچھ ممالک سیلون، سوڈان لبنان وغیرہ کے اسکالر بھی شریک ہوئے۔ اسلام اور دنیائے جدید کے تقاضے زیرِ بحث تھے مختلف صورتوں میں بار بار یہی ہوتا کہ مغربی اسکالر اور مسلمان اسکالر ایک دوسرے کے مدمقابل بن کر تقریریں کرتے اور بحث میں اکثر مناظرے کا رنگ پیدا ہو جاتا۔ باوجود اس کے کہ خلیفہ صاحب ایک لبرل مسلمان سمجھے اور مانے جاتے تھے اور خود میں نے بھی انہیں لبرل مسلمان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ہم نے یہ دیکھا کہ جہاں اسلام اور مسلمانوں پر کوئی غیر مسلمان (مغربی یا غیر مغربی) نکتہ چینی کی جرأت کرتا وہاں اس کے جواب میں خلیفہ صاحب ہی سب سے زیادہ آمادگی اور سب سے زیادہ جرأت دکھاتے۔ لندن کی خاتون پروفیسر لمٹن نے اپنے مقالے میں کچھ اسی قسم کی باتیں کہی تھیں خلیفہ صاحب نے اس کا مضمون وہیں اجلاس میں دیکھا۔ میں خلیفہ صاحب کے ساتھ کی کرسی پر بیٹھا تھا اور میں نے بھی کچھ بے اختیار ہو کر کہہ دیا کہ مجھے اس مقالے سے دکھ ہوا ہے اور جی چاہتا ہے کہ اس کا جواب دیا جائے۔ پھر کیا تھا

خلیفہ صاحب اپنی باری پر اٹھے اور خوب مناظرانہ رنگ میں ترکی بہ ترکی جواب دیا جس سے طبیعت خوش ہو گئی
خلیفہ صاحب کا یہی وصف ان کو باقی لبرل مسلمانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ باقی لبرل مسلمان اگر معذرت خواہ قسم کے
نہیں ہوتے تب بھی ان کا شوق تبلیغ اور شوق دفاع اتنا تیز نہیں ہوتا جتنا خلیفہ صاحب کا تھا۔ اس شوق کے
ساتھ ان کے دل میں اسلام کے مستقبل کے متعلق ایک امید اور ایمان پایا جاتا تھا جو ان کے اسلامی جوش کو باقی
لبرل مسلمانوں سے ممتاز کر دیتا

مذاکرے کے اسی اجلاس میں میں نے ایک رقعہ لکھ کر ان کے سامنے رکھا (مذاکرے کے ادب کی وجہ
سے زیادہ باتیں کرنے کا موقع نہ تھا) میں نے لکھا تھا کہ وجود باری یا تصور باری تعالےٰ کے متعلق سید احمد خان،
علامہ اقبال اور خلیفہ عبدالحکیم کے تصور اور طرزِ فکر میں ایک باریک فرق ہے جس پر ایک مقالہ لکھا جانا چاہیئے
اور یہ مقالہ خلیفہ صاحب کو ہی لکھنا چاہیئے۔ جب میں نے یہ رقعہ ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے سر ہلایا اور کہا کہ
نہیں۔ اگر لکھنا ہی ہے تو کوئی اور لکھے یا شاید مجھے کہا کہ تم لکھو، میں نے بھی سر ہلا دیا۔ اس پر انہوں نے رقعہ
اٹھایا اور اس پر یہ شعر لکھ دیا۔ بازیچہ گعز دیں بہ طفلاں بسپار ۔ بگذر از خدا ہم کہ خدا ہم حرفیست
یہ شعر خلیفہ صاحب کی آخری تحریر ثابت ہوا۔ کیونکہ دوسرے روز وہ مذاکرے میں شریک نہیں ہوئے
کیونکہ بعض ضروری ملاقاتوں کا پروگرام تھا۔ انہی ملاقاتوں میں مسٹر ممتاز حسن سکرٹری فنانس سے ملاقات بھی شامل
تھی اور انہی کے دفتر میں خلیفہ صاحب نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

افکارِ غالب

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

مرزا غالب کے بلند پایہ فلسفیانہ کلام کی حکیمانہ تشریح کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت
سے اردو ادب میں قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے۔ قیمت آٹھ روپے آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور